پروفیسر مولانا انوار اللہ صاحب ۔ ریسرچ ایڈوائزر
فیڈرل شریعت کورٹ ۔ اسلام آباد

ثبوت جرم یا ثبوت حق

کا

شرعی نصاب

اسلامی شریعت میں کسی امر کو ثابت کرنے کے لیے یا تو اقرار ہونا چاہیے ۔ اقرار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی جرم کے ارتکاب کا خود ہی اقرار کرے یا اپنے اوپر کسی دوسرے شخص کے حق کو تسلیم کرے تو پھر مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی ۔ قرآن و حدیث میں اقرار کو اولین اہمیت دی گئی ہے ۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ اور سورہ نساء کی آیت ۱۳۵ سے واضح ہے اس کے علاوہ صحاح ستہ میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار ہی کی بنیاد پر حدود نافذ کی ہیں ۔ مثلاً آپ نے ماعز بن مالک اسلمی اور غامدیہ صرف ان کے اقرار پر حد نافذ کرنے کا حکم دیا۔

اقرار کی عدم موجودگی میں کسی جرم کے ارتکاب یا حق کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے گواہی دینا ضروری ہے جسے شہادت یا بیّنہ کہتے ہیں ۔ لفظ شہادت مشاہدہ سے ماخوذ ہے ۔ اور مشاہدہ معائنہ کو کہتے ہیں ۔ کیونکہ شاہد اس چیز کا بیان کرتا ہے جو اس نے معائنہ کیا ہو اور خوب دیکھا ہو ۔ لیکن اصطلاح میں کسی عدالت میں لفظ گواہی کے ساتھ حق بات ثابت کرنے کے لیے سچی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں[1] گواہی یعنی شہادت کے ماخذ کے لحاظ سے مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں ۔

۱ ۔ شہادت بالعین ۔ شہادت بالعین سے مراد آنکھیں دیکھی شہادت ہے اسے عینی شہادت یا عینی گواہ بھی کہتے ہیں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ کسی گواہ کے بیان کے صرف اس حصہ کو تسلیم کیا جاتا ہے جس میں اس نے آنکھوں دیکھے کوائف بتلائے ہوں[2]

۲ ۔ شہادت بالسماع ۔ اس سے مراد ایسی شہادت ہے جو سن کر دی جائے مثلاً کسی آواز، چیخ و پکار کے بارے میں گواہی دے ۔ کئی امور ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق عام سنی سنائی شہادت قبول کی جاسکتی ہے ۔

---

[1] فقہ السنہ سید سابق ج۳ صد ۳۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت [2] الہدایہ للمرغینانی ج ۳ صد ۱۵۹

۳۔ شہادت علی الشہادت۔ جب کوئی عینی گواہ کسی معذوری کی وجہ سے شہادت نہیں دے سکتا۔ تو اس کی شہادت پر دوسرا شخص شہادت دے سکتا ہے۔ اسے شہادت علی الشہادت کہتے ہیں۔[1]

ادائے شہادت کے نقطہ نظر سے شہادت کی صورتیں بھی تین ہیں۔

۱۔ تحریری و زبانی شہادت۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے کہ ہر چھوٹے بڑے معاملہ کو تحریر میں لاؤ۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ سے ظاہر ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تحریری شہادت زبانی شہادت سے زیادہ معتبر ہے اور جب کسی امر کے بارے میں تحریری شہادت موجود ہو تو اس کے بارے میں زبانی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ تحریری شہادت زبانی شہادت کی تقویت کرتی ہے۔

۲، ۳۔ بلا واسطہ یا بالواسطہ شہادت۔ عینی گواہ اور متنازع امر کے بارے میں دستاویز جیسی شہادتیں بلا واسطہ شہادتیں کہلاتی ہیں۔ اور شہادت علی الشہادت سنی سنائی شہادت اور قرائن سے حاصل شدہ نتائج کو بالواسطہ شہادت کہا جائیگا۔

نصاب شہادت۔ معاشرتی معاملات اور اموال کے حقوق کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں ہے۔ "واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان" (اور لین دین کے معاملات میں) اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں)

زنا کے علاوہ حدود و قصاص میں بھی دو مردوں یا ایک عورت اور دو عورتوں کی شہادت درکار ہے۔ جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۶ میں ہے۔ "یا ایها الذین آمنوا شهادة بینكم اذا حضر احدكم الموت حين الوصية اثنان ذوا عدل منكم او آخران من غيركم" (اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے (موت کے آثار نمایاں ہوں) اور وصیت کرنے لگے تو وصیت کرتے وقت تم (مسلمانوں) میں دو عادل گواہ بنا لاؤ (اگر مسلمان نہ ہوں) تو اپنوں کے سوا دو گواہ بنا لاؤ (غیر مسلم)

زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے جیسا کہ سورہ نساء کی آیت ۱۵ میں ہے "فاستشهدوا عليهن اربعة منكم (پس ان زانیہ عورتوں) پر اپنے (مردوں) میں سے چار کو گواہ بناؤ) یا سورہ نور کی آیت ۴ میں ہے والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء (اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لائیں) یا اسی سورت نور کی آیت ۱۳ "لولا جاءوا عليه باربعة شهداء" (تو اس بات پر چار شاہد کیوں نہ لائے) تو ان آیتوں میں چار کی تعداد مخصوص ہے۔ اس لئے ثبوت زنا کے لئے چار گواہ بہت ضروری ہیں یعنی واجب ہیں اور ان چار و

---

[1] فتاوی عالمگیری جلد پنجم ص ۴۵۶

ہونا بھی ضروری ہے۔ شیعہ فقہ کی رو سے زنا چار مردوں یا تین مردوں اور دو عورتوں یا دو مردوں اور چار عورتوں کی شہادت سے ہی ثابت ہوتی ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد دونوں خلیفہ کے زمانہ سے یہ سنّت شرعی چلی ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ اس بارے میں اہلسنّت کے فقہا متفق ہیں[1]۔ اس بارے علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ "جب مالی کے بارے میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت مانی گئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اور معاملات میں ان کی شہادت غیر معتبر سمجھی جائے۔ جو عورت حفظ و عقل میں کامل ہو اور دیندار بھی ہو تو ایک کی شہادت سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ محض دینی امور میں اس کی ایک ہی گواہی معتبر ہے"[2]

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:۔

"ہمارے استاد (ابن تیمیہ) فرماتے ہیں کہ اگر یہ بھی فیصلہ کر دیا جاتا کہ صرف ایک عورت اور مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ کیا جائے تو یہ بھی درست ہو سکتا ہے۔ یہ اس لئے کہ شاہد رہنے کی صورت میں دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام کی گئی ہیں کہ ایک بھول نہ جائے اور ادائیگی شہادت کے وقت کے بارے میں کتاب و سنّت میں کہیں یہ نہیں آیا ہے کہ جب تک دو نہ ہوں شہادت مانی ہی نہ جائے۔ اور دو عورتیں ہی گواہی میں لی جائیں۔ اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کم ہوں تو ان کی شہادت پر کوئی فیصلہ کیا ہی نہ جائے"[3]

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رضاعت کے معاملے میں صرف ایک لونڈی کی شہادت قبول کر کے ... بن حارث اور ان کی بیوی ام یحیٰی بنت وہاب میں جدائی کر دی تھی کیونکہ اس عورت نے یہ گواہی دی تھی کہ اس نے ان دونوں کو دودھ پلایا تھا[4]

بہرحال حدود و قصاص اموال کے علاوہ باقی امور میں ایک عورت کی بھی گواہی مقبول ہے بلکہ شیعہ فقہ کی رو سے اموال و ذخیرہ میں بھی دو عورتوں اور قسم سے ثبوت آ سکتا ہے۔

لیکن چونکہ عورتوں کی شہادت حدود کے معاملات میں صرف عورتوں کی شہادت مقبول نہیں ہے۔

ضرورت حقوق کے لئے اگر کسی معاملہ میں صرف ایک ہی گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے طور پر خصوصی قسم مدعی سے لی جا سکتی ہے ... اور مصلحت کے تحت کسی بھی معاملہ میں ایک گواہ کی شہادت پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت لعان میں قسم

---

[1] ہدایہ للمرغینانی جلد سوم صہ ۱۵۵ [2] اعلام الموقعین جلد اول صہ ۷۵ [3] ایضاً صہ ۷۶

[4] بخاری کتاب الشہادت

کو گواہ کا قائم مقام مقرر کیا گیا ہے۔ علامہ ابن القیم نے لکھا ہے :-

"شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے عادل شخص کی شہادت کو کسی موقعہ پر بھی رد نہیں کیا۔ بلکہ اس کی شہادت کی علت کی جیسے کہ ابو قتادہ کے ایک مشرک کے قتل کر دینے کے بارے میں ایک شخص کی شہادت مان لی۔ خزیمہ کی تنہا شہادت قبول فرمائی۔ رمضان کے چاند کی گواہی صرف ایک اعرابی کی معتبر مانی۔ حبشن لونڈی کی تنہا شہادت پر رضاعت کے ثابت ہونے کا فیصلہ فرما دیا۔ کیلئے تمیم کی خبر بھی معتبر مان لی جس نے ایک محسوس امر کی گواہی دی تھی ..... بلکہ اللہ نے فاسق کی خبر کی تردید کا بھی بغیر ثبوت اور دلیل کے حکم نہیں دیا۔"[1]

گواہ کی شرائط۔ گواہ ہونے کی شرائط یہ ہیں۔

۱۔ عاقل ہونا۔ ۲۔ بالغ ہونا۔ ۳۔ عادل ہونا۔ ۴۔ محدود بالقذف نہ ہونا

بعض فقہا نے عقل، بلوغ اور عدل وغیرہ کے علاوہ بصارت یعنی بینائی اور نطق یعنی گویائی بھی شرط کی ہیں۔

جہاں تک گواہ کے عادل ہونے کا تعلق ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان لوگ عادل ہیں باہم ایک دوسرے پر حجت ہیں سوائے ان کے جن پر قذف کی حد لگ چکی ہو۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان گواہ کے معاملے میں قاضی اس کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرے جب تک فریق مخالف اس میں کوئی خامی یا نقص نہ بتائے۔ علامہ سید سابق نے فقہ السنہ میں لکھا ہے کہ گواہ کے لئے عادل ہونا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کی خیر ان کی شر پر غالب ہو یعنی ان کی اچھائیاں ان کی برائیوں سے زیادہ ہوں اور وہ جھوٹ سے متہم نہ ہو۔ اور بعض فقہا کہتے ہیں کہ وہ فرائض اور نوافل کا پابند ہو۔ اور گناہ کبیرہ سے اپنے آپ کو بچاتا ہو اور مشتبہ اقوال اور اعمال سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہو[2] لیکن اختلاف اور اشتباہ کی صورت میں قاضی خود گواہ کی عدالت کے بارے میں اطمینان کرے۔ علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں لکھا ہے کہ "خاص کر اس فساد کے زمانے میں قاضی کو مکمل اختیار ہے کہ وہ گواہ کی عدالت قبول کرے یا نہ کرے۔" جیسا کہ ابن ابی لیلیٰ نے گواہوں کو قسم دینے کو پسند فرمایا ہے[3]

قسم۔ اگر مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں مدعی کے مطالبہ پر قاضی مدعا علیہ سے قسم لے گا جیسا کہ حضور کا ارشاد ہے۔ "البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر" (مدعی پر گواہ لانا ضروری ہے۔ اور مدعا علیہ پر قسم ہے۔) اور اگر مدعا علیہ قسم دینے سے انکار کرے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدعا علیہ

---

[1] اعلام الموقعین۔ [2] فقہ السنہ سید سابق جلد سوم صہ ۳۳۵-۳۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت [3] البحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد ہفتم صہ ۶۳

اگر قسم سے انکار کرے تو مدعی سے قسم لی جائے گی تاکہ معلوم کر سکے کہ قسم اٹھانے والا کس طریقہ سے اور کس انداز سے قسم کھاتا ہے۔ کیونکہ قسم ایک فیصلہ کن ثبوت ہے۔ اس لئے یہ قاضی کے سامنے ہونا چاہیئے۔ تاکہ انصاف ہو سکے[1]

قرائن اور حالات کی شہادت۔ اگر فریقین میں سے کسی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو اور کسی فریقین سے خصوصی قسم لینا ممکن نہ ہو تو ضرورت، مصلحت اور حالات کے مطابق ضیاع حقوق و حدود سے بچنے کے لئے اور حصول انصاف کی خاطر ہر وہ گواہی قبول کی جا سکتی ہے جو یقین کا فائدہ دے۔ یہ اس صورت میں بھی کارآمد ہو گا جب کسی ایک فریق کے پاس مقررہ نصاب شہادت سے کم عینی گواہ ہوں۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ "مدعی پر بینہ ہے اور مدعا علیہ پر قسم۔" تو ابن القیم نے لکھا ہے کہ بینہ ہر وہ چیز ہے جو حق کو ظاہر کرے۔ یہی معنی قرآن و حدیث میں اس لفظ سے لئے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:۔

"لقد ارسلنا رسلنا بالبینات۔ وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتھم البینہ قل انی علی بینۃ من ربی۔ ام آتیناھم فھم علی بینۃ منہ"

تو ان سب آیتوں میں یہ لفظ روشن دلیل یا ظاہر حق یا دلیل حق کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس پس منظر میں اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو دیکھیں "الک بینہ" یعنی کیا تمہارے پاس حق ظاہر کرنے کی کوئی دلیل ہے؟ یا "البینۃ علی المدعی" یعنی مدعی پر لازم ہے کہ ایسی دلیل پیش کرے جس سے حق ظاہر ہو۔ خواہ وہ گواہ ہوں اور کوئی چیز۔ گویا ثبوت حق کسی ایک عین چیز پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ فقہا نے اسے صرف دو گواہ اور ایک قسم پر مخصوص کیا ہے[2] بلکہ عینی شہادت، تحریری شہادت، قسم، اقرار اور ہر قسم کی قرائنی شہادت بینہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ان میں پھر ایک گواہ کی قائم مقام ہے۔ چنانچہ زبانی گواہوں کی مقررہ تعداد میں کمی یا بالکل نہ ہونے کی صورت میں کسی بھی قسم کی بینہ جو یقین کا فائدہ دیتی ہو کو قبول کیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن یہ درجہ میں بہر حال گواہوں سے بعد میں ہے اس لئے یہ اس صورت میں کیا جائے گا جب حقوق و حدود کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا انصاف کا حصول دشوار ہو۔ آگے چل کر ابن القیم لکھتے ہیں۔

ناممکن ہے کہ شارع ایسی دلیل اور ایسی دلالت کو مہمل کر دے اور ایسے حق کو ضائع کر دے جس کا ظہور اور ثبوت ہر شخص جان سکتا ہے بلکہ جب اس کے خلاف لوگوں کا خیال ہو گیا تو وہ حکم کے صحیح طریقہ کو ضائع کرنے لگے۔ اور ان کے ہاتھ سے بہت سے حقوق تلف ہونے لگے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حق کے ظاہر ہونے کا ایک ہی عین طریقہ تھا۔ پس اس صورت میں

---

[1] اسلامی قانون شہادت۔ عبدالمالک عرفانی صد ۱۷۵

[2] اعلام الموقعین جلد اول عربی صد ۹۱۔ ابن القیم الجوزیہ۔ دار الجیل۔ بیروت۔

ہر ظالم بدکار کے لئے ظلم اور بدکاری آسان ہوگی۔ وہ اپنا کام کھلے بندوں کر گذرا اور صاف کہہ دیا کہ دو گواہ لا کر پیش کرو۔ گواہ ملے نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے اور مخلوق کے بہت سے حق تلف ہونے لگے[1]

قرائن کی شہادت اسلامی فقہ میں فیصلہ کن اور مستقل چیز نہیں ہے۔ لیکن صحیح فیصلہ کی جانب ممد و معاون ثابت ہوتی ہے قرآن کریم نے اس کی اہمیت اور افادیت کی طرف سورہ یوسف میں اشارہ کیا ہے۔ کہ حضرت یوسف پر عزیز مصر کی بیوی کا الزام زنا رد کرنے کے لئے قرائن سے مدد لی گئی تھی جب عزیز مصر کے گھر ایک صاحب معاملہ اور ہوشیار شخص نے واقعہ کی تفصیلات سن کر کہا کہ اگر یوسف کی قمیص سامنے سے پھٹی ہے تو یوسف کا قصور ہوگا۔ اور اگر پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عزیز کی بیوی (جس کا نام زلیخا بتایا جاتا ہے) قصوروار ہوگی۔ چونکہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت یوسف بے گناہ قرار پائے۔

صاحب ہدایہ نے ابن مسعود کی روایت نقل کی ہے جنہوں نے فرمایا۔

"اگر تم کسی کے منہ سے شراب کی بو محسوس کرو تو اس کو کوڑے مارو"

طبرانی نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو کوڑے لگائے جس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی[2] تو گویا اسلامی قانون میں شراب نوشی کے جرم کے ثبوت میں منہ سے شراب کی بو اور ذہن و جسم پر نشہ کی کیفیت کا حوالہ بھی قرائن کی شہادت کو تسلیم کرنا ہے۔ اور بعض اوقات قرائن کی شہادت آنکھوں دیکھی شہادت کے برابر اہم ہوتی ہے مثلاً اگر ہم دیکھیں کہ ایک شخص کسی مکان کے دروازے سے متوحش حالت میں اور ہاتھ میں خون آلود چاقو خنجر لئے نکل رہا ہے اور پھر ہم مکان کے اندر جا کر ایک تازہ ذبح کی ہوئی لاش دیکھیں تو باہر نکلنے والے شخص کو قاتل سمجھیں گے۔ اگر اس قدر قرائن مل جائیں اور دیگر شہادات نہ ملیں تو مذکورہ شخص کو مجرم ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

موطا امام مالک میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے سنا کہ رجم اللہ کی کتاب میں حق ہے اس شخص پر جو زنا کرے۔ خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ محصن ہو (یعنی اس کا نکاح ہو چکا ہو اور وطی کر چکا ہو) تو وہ رجم کیا جائے گا بشرطیکہ زنا ثابت ہو چار گواہوں سے یا عورت پر حمل سے یا مرد اور عورت دونوں پر اقرار سے[3] تو گویا اگر عورت کا حمل ہو اور اس نے شادی نہیں کی ہو تو یہ اس کے زنا پر سب سے بڑی دلیل ہے اور اس کو رجم کیا جائے گا۔

علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ حدیث کے لفظ شاہدان کے معنی یا تو دو دلیلیں ہیں یا دو شخص یا جو ان دو کے قائم مقام ہوں اور دو عورتیں قائم مقام ایک مرد کے ہیں تاکہ ایک بھول نہ جائے۔ اور ادائیگی شہادت کے بارے میں قرآن و سنت میں یہ کہیں نہیں کہ جب تک دو عورتیں نہ ہوں شہادت مانی ہی نہ جائے۔ اور دو عورتیں گواہی میں لی جائیں اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کم ہوں تو ان کی شہادت پر کوئی فیصلہ ہی نہ کیا جائے[4]

---

[1] اعلام الموقعین ص ۹۱ [2] الہدایہ جلد ۲ ص ۲۸-۵۲۷ [3] موطا امام مالک (اردو ترجمہ) ص ۹۸۵ مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور [4] اعلام الموقعین ص ۹۶-۱۰۷۔ المبسوط للامام السرخسی جلد ۸ ص ۱۱۶

اس ضمن میں حضرت حزیم بن ثابت کی شہادت والی حدیث بھی قابل غور ہے۔ اس حدیث کا واقعہ یوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک اونٹنی خریدی۔ اور اس کو قیمت ادا کر دی۔ پھر اعرابی بعد میں منکر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ حضور نے پوری قیمت ادا نہیں کی۔ اور اس پر گواہ کا مطالبہ کیا۔ جس پر حضورؐ نے فرمایا کون میرا گواہ ہوگا۔ تو اس پر حزم بن ثابت نے کہا کہ میں آپ کے لئے گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے قیمت ادا کی ہے۔ تو حضورؐ نے اس سے پوچھا کہ تم کیسے گواہی دیتے ہو حالاں کہ تم وہاں حاضر نہیں تھے۔ اس پر حزیم نے کہا کہ جب ہم آپ کو ان خبروں میں سچا مانتے ہیں جو آسمانی ہیں تو پھر ہم آپ کو اونٹنی کی قیمت ادا کرنے میں کیوں نہ سچا مانیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس کے لئے حزیم گواہی دے وہ کافی ہے[1]

اس حدیث سے دو باتیں نکلتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب ایک ہی گواہ ہو اور اس کی سچائی میں کوئی شک نہ ہو تو صرف اسی ایک گواہی پر فیصلہ دیا جائے گا اور دوسری بات یہ کہ صرف حالات اور قرائن سے جو بات معلوم ہوتی ہے اس پر بھی گواہی دینا کافی ہے خواہ اصل مجرم یا اصل واقعات کو دیکھا بھی نہ ہو۔

فقہا کا اجمالی طور پر اس بات پر اتفاق ہے کہ بوقت حاجت ایسی شہادتیں قبول کی جا سکتی ہیں۔ جو اور موقعوں پر قبولیت کے قابل نہیں ہوتیں۔ اگرچہ ان کی تفصیل میں ان کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ قرآن نے بوقت سفر ضرورت کے وقت دو غیر مسلموں کی گواہی وصیت کے معاملے میں معتبر مانی ہے۔ یہ تنبیہ ہے اس جیسی اور اس سے زیادہ ضرورت کے وقت کی ایسی اور اس سے زیادہ حق کو واضح کر دینے والی چیز کے قبول کر لینے کی۔ جیسے کہ صرف عورتوں کی گواہی ان معاملات میں قبول کر لی جائے گی۔ جہاں صرف عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ یا ان سے متعلق بات ہوتی ہے۔ مثلاً نکاح، بیاہ۔ حمام، حیض نفاس وغیرہ۔ اسی طرح صحابہ اور فقہا مدینہ کا عمل یہ بھی رہا ہے۔ کہ جب بچے آپس میں ایک دوسرے کو زخمی کر دیتے تو ایسے معاملات میں صرف بچوں کی گواہی قبول کرتے تھے۔ کیونکہ عموماً ان کے کھیل کود میں بڑے آدمی شریک نہیں ہوتے گویا ان صورتوں میں وہ دو مرد بالغ عادل کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کے علاوہ اگر حق کسی طرح سے بھی ظاہر ہو تو اس کو لے لیتے تھے۔ تاکہ حصول انصاف ممکن ہو۔ چنانچہ علامہ ابن القیم نے لکھا ہے۔ "شارع علیہ السلام نے حفظ حقوق کا دار و مدار صرف دو گواہوں پر نہیں رکھا۔ نہ خون کے معاملے میں نہ مال کے مقدمے میں۔ نہ عصمت کے معاملے میں نہ حد کے بارے میں۔ بلکہ خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام نے حمل کی وجہ سے حد زنا جاری کی۔ اور صرف بو پا کر شراب کی حد لگائی۔ اس طرح شراب کے قے کرنے پر بھی شراب کی حد جاری کی۔ پس ہم کہتے ہیں کہ چور کے قبضے سے چوری کا مال جوں کا توں برآمد ہو جائے اور وہ چوری سے بدنام بھی ہو۔ تو اس کو حد لگائی جائے۔ بلکہ یہ حمل اور شراب کی بو سے زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ حمل میں ہو سکتا ہے کہ عورت پر جبر کیا گیا ہو یا شبہ کی وطی سے حمل ٹھہر گیا ہو۔

---

[1] المبسوط الامام السرخسی جلد ۸ صـ ۱۱۶

اسی طرح شراب کی بو، مال مسروقہ کی برآمد سے بہت ہلکے درجے کی چیز ہے۔ دیکھئے خلفاء صحابہ نے ایسے دور از کار شہادت کی طرف التفات تک نہیں کیا۔[1]

تو گویا سچی خبر کو رد کر دینا بھی حق کو جھٹلانا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن القیم نے اس کتاب میں لکھا ہے:۔

"جب کوئی شخص اپنی کسی چیز کے وہ اوصاف بیان کرے جو اس میں ہیں اور اس کے پاس سے یہ چیز کھوئی گئی ہو اور دوسرے کو ملی ہوئی ہو۔ تو اس پر ضروری ہے کہ وہ اس کو واپس کر دے۔ پس اس شخص کا اپنی چیز کے اوصاف کا وضاحت سے بیان کرنا ہی وہ گواہ ہوں جیسا ہے اس سے اس کی سچائی اور اس کے دعوے کی صداقت معلوم ہو جاتی ہے اور یہی بینہ ہے۔[1]

مسلمانوں سے حدود کو ممکن حد تک (شبہات وغیرہ کے ذریعے) دور کرنے کے بارے میں جو احادیث پائی جاتی ہیں ان کو حکم واجب قرار دے کر خواہ مخواہ اور دور از کار شبہات پیدا کئے جاتے ہیں۔ من جمع ان کے یہ شیوہ بھی ہے کہ شہادت کا مقررہ نصاب پورا نہ ہو تو جرم ثابت نہیں ہوتا۔ حالاں کہ قرآن و سنت کی رو سے اقرار، قسم اور قرائن شہادتوں کو مقررہ نصاب کا ایک حصہ قرار دینا عین منشائے خداوندی ہے۔ امام ترمذی نے لکھا ہے کہ متذکرہ احادیث کی اسناد ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ بہر حال صحیح احادیث کی بنیاد پر بھی شہادت میں مبالغہ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔[2]

کبھی کبھی واقعاتی شہادت فیصلہ کن ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر طبی معائنہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ کسی عورت سے مباشرت کی گئی ہے تو واقعاتی تانے بانے میں جو شخص بھی پھنس جائے وہی سزا کا مستحق ہے۔ اسلام کے تعزیراتی نظام کا مقصد یہ نہیں کہ کسی کو سزا نہ ہو سکے بلکہ یہ ہے کہ کوئی شخص ظن غالب کی حد تک جرم میں ملوث پایا جائے تو اسے سزا دی جائے تاکہ وہ اس جرم کا اعادہ نہ کرے اور دیگر لوگ اس سے عبرت پکڑ کر جرائم سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اگر لوگوں کو یقین ہو کہ وہ مختلف شہادت پیدا کر کے سزا سے بچ جائیں گے تو وہ اسلامی معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیں۔

تفتیش جرم کے بہت سے طریقے ہیں اور زمانۂ قدیم سے ان پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ ان میں گواہی اور اقرار کے علاوہ دوسرے محرکات سے جرم کو ثابت کرنا بھی شامل ہے۔ سائنسی علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ ساتھ قرائن کی شہادت کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔ اور اب بہت سے امور میں اس پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔ طبی اصول، قانون ہاتھ کے نشانات اور تحریر کی شناخت کے فنون کو جرائم کے ثبوت اور حقوق کے اثبات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ واقعات کا فطری بہاؤ اور انسان کے طبعی، زمانی اور مکانی حدود و قیود بھی قرائن کا کافی مواد مہیا کرتے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سب امور ایسے اہم کردار ادا کرتے ہیں کہ ان پر غور و فکر سے اصل جرم کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ اور کوئی چیز اپنے اصل حقدار کو دی جا سکتی ہے۔

---

[1] اعلام الموقعین ابن القیم جلد ۱ ص ۵۰/۵۱ [2] جامع ترمذی۔ کتاب الحدود

نسائی نے علقمہ بن وائل سے روایت نقل کی ہے جو اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت جو صبح سویرے نہایت تکلیف سے مسجد جا رہی تھی کہ ایک آدمی نے اندھیرے میں آکر اس کے ساتھ زنا کر لیا۔ اتنے میں دوسرا آدمی وہاں سے گذر رہا تھا تو اس عورت نے اس سے مدد طلب کی جس پر وہ زانی بھاگ گیا۔ اور دوسرا آدمی اس زانی کے پیچھے بھاگا۔ اتنے میں اور لوگ بھی وہاں سے گذرنے لگے تو اس عورت نے ان سے مدد طلب کی۔ تو انہوں نے اس دوسرے آدمی کو جو اصل زانی کی تلاش میں عورت کی مدد کر رہا تھا وہاں پایا اور اس کو اس عورت کے پاس پکڑ کر لے آئے۔ اس آدمی نے عورت سے کہا کہ میں وہ ہوں جو تمہاری مدد کے لئے اس زانی کی تلاش میں ہوں جو بھاگ گیا ہے۔ بہرحال ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو عورت نے کہا یہ وہ شخص ہے جس نے مجھ سے زنا کیا اور ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہم نے اس کو نہایت جلدی میں پایا۔ اس پر اس آدمی نے کہا کہ میں تو اس کے اصل زانی کے بارے میں اس کی مدد کر رہا تھا کہ اتنے میں ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا۔ عورت نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے یہی وہ آدمی ہے جس نے مجھ سے زنا کیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم کراؤ۔ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا " اس کو رجم مت کرو۔ دراصل میں نے اس عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ گویا زنا کا اعتراف کر لیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کو معاف کر دیا۔ اور آپ نے عورت سے کہا کہ اللہ نے تجھے معاف کیا" اور جس شخص نے عورت کی مدد کی تھی اس کو اچھے الفاظ میں خطاب فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے کہا جس نے اعتراف کیا ہے اُسے رجم کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا اور فرمایا۔ اس نے توبہ کی ہے۔[1]

اس حدیث سے بھی قرائن کی شہادت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ظاہری احکام ظاہری علامتوں کے تابع ہوتے ہیں اور ظاہری ادلیا گواہ ہیں یا اقرار اور یا احوال اور قرائن کی گواہی اور بینہ بذات خود حد کو واجب نہیں کرتی بلکہ حد کی ربط اور تعلق بینہ کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ مدلول کا دلیل کے ساتھ اس لئے اگر کوئی مساوی یا زیادہ مضبوط دلیل موجود ہو تو شریعت اس کو لغو نہیں کرے گی۔ اور اگر شہادت قرائن اصل واقعہ کے خلاف نکلی تب بھی اس کی دلیل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ کبھی کبھی گواہوں اور اقرار کی صورتوں میں بھی ایسا ہو جاتا ہے۔

اس طرح قسامہ (نا معلوم مقتول کے قاتل کے بارے میں لوگوں سے قسمیں لینے) کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی محلہ یا گھر کے قریب کوئی مقتول پایا گیا تو اگر وہاں کسی خاص آدمی میں قتل کرنے کی نشانی ہو یا مقتول کا وہاں کسی خاص آدمی سے ظاہری دشمنی ہو تو پھر پچاس آدمیوں سے قسمیں لی جائیں گی جس میں وہ یہ قسم کھا کر کہیں کہ نہ ہم نے اس کو قتل

---

[1] "تلک حدود اللہ" ابراہیم احمد وقفی صہ ۴۴ مطبوعہ دار العلوم۔ اسلام آباد

کیا۔ اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے اور جب وہ قسمیں کھائیں تو مدعا علیہ سے قصاص لیا جائے گا (اس خاص آدمی سے جس میں یا ظاہری نشانی قتل تھی یا وہ مقتول کا ظاہر دشمن تھا) تو گویا امام مالک نے قسامہ میں شہادت قرائن ہی پر قصاص کو لازم کر دیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ شہادت قرائن حدود و قصاص میں بعض اوقات مؤثر اور معتبر ہو جاتی ہے۔[1]

آج کل لوگ انتہائی مہذب ہو چکے ہیں۔ اس لئے نہ تو وہ گواہی دیتے ہیں اور نہ اقرار کرتے ہیں۔ اس لئے حصولِ انصاف بہت ہی مشکل ہو گیا ہے۔ لہٰذا موجودہ وقت میں شہادت قرائن کو زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے اور اس کا دائرہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے تاکسی طرح مجرم سزا سے نہ بچ جائے۔ اس کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے اگرچہ فقہ حنفی۔ شافعی اور مالکی میں شہادت قرائن میں کوئی وقعت نہیں دی گئی۔ لیکن ان کے اقوال سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اگر کسی اور ذریعہ سے جرم ثابت نہیں ہوتا اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ جرم فلاں نے کیا ہے تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔ بلکہ انہوں نے زیادہ زور پہلے دو یعنی گواہ اور اقرار پر دی ہے اس لئے فقہ حنبلی کی اس رائے پر اتفاق اور سوچ بچار کی ضرورت ہے اور قرائن کی شہادت حدود و قصاص اور ہر قسم کے جرائم میں معتبر مانی جانی چاہئے۔ تاکہ معاشرہ ہر قسم کے جرائم سے محفوظ رہے ؂

---

[1] بدائع الصنائع للکاشانی جلد ۷ ص ۲۸۶

شمائل نبوی بقیہ از صفحہ ۲۷۔

نئی باتیں معلوم ہوں گی۔ پردیسی تو اس ڈھنگ و آداب کو نہیں سمجھتے۔ باہر سے کھڑے ہو کر زور سے پکارتے یا محمدؐ فلاں مسئلہ کیسا ہے۔ اور کوئی آکر پوچھتا کہ سیدھی سادی باتیں بتا دو۔ لمبی چوڑی نہیں۔ بس دو جملے۔ دور دراز سے آیا ہوں۔ ایسی باتیں کہ میں اس کو حفاظت سے رکھ لوں اور اس پر عمل کر سکوں۔

تو ایسے ایسے سوال کرتے تھے۔ کوئی دیہاتی آتا۔ اس انداز میں تو اب صحابہ خوش ہو جاتے کہ ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن آج انہوں نے ہماری معلومات اور علم میں نئی باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ تو یہ بھی حفاظت غریب ہے۔ غریب غریب کو نہیں کہتے۔ غریب کے معنی ہیں پردیسی مسافر مہمان کو غریب کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضورؐ کے اخلاق عالیہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس حدیث کے کچھ حصے اور ہیں۔ وہ بڑے عجیب ہیں۔ یہ روایت کئی ٹکڑوں میں ہے ایک ٹکڑا ابتدا میں ہے۔ حضورؐ کا عجیب انداز ہے اس میں بھی۔ وہ بھی حضرت حسنؓ کی یہی روایت ہے حضرت علی سے۔ انشاء اللہ کسی فرصت میں اس کی تشریح بھی کی جائے گی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔